مسلمانوں کی بزدلی کے اسباب

مصنف:

عطائے مفتیِ اعظمِ ہند حضرت حافظ وقاری
مولانا محمد شاکر نوری
(امیرِ سنّی دعوتِ اسلامی)

ناشر:
مکتبۂ طیبہ
۱۲۶ / کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔ ۳

پیشکش:
ادارۂ معارف اسلامی
۱۳۲ / کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔ ۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ۔
(سورۂ رعد، آیت:۱۱)

مسلمانوں کی بزدلی کے اسباب

مصنف:
عطائے مفتی اعظم ہند حضرت حافظ وقاری
مولانا محمد شاکر نوری
(امیر سنّی دعوتِ اسلامی)

پیشکش:
ادارۂ معارف اسلامی
۱۳۲/کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔۳

ناشر:
مکتبۂ طیبہ
۱۲۶/کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔۳

نام کتاب : **مسلمانوں کی بزدلی کے اسباب**

مصنف : حضرت حافظ وقاری مولانا محمد شاکر نوری (امیرِ سنّی دعوتِ اسلامی)

صفحات : ۵۳

نظرِ ثانی : مولانا مظہر حسین علیمی (مدرس جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ممبئی)

مولانا عبداللہ اعظمی نجمی (مدرس جامعہ حرا نجم العلوم، مہاپولی)

اشاعت اول :

تعداد :

ناشر : مکتبۂ طیبہ، ۱۲۶/ کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔ (فون: 23451292)

قیمت :

ملنے کے پتے:

مکتبۂ طیبہ: دارالعلوم برکاتِ خواجہ، آمود، ضلع بھروچ، گجرات۔ فون: 9427464411

مکتبۂ طیبہ: ہاشمی مسجد، نزد کولپیٹھ، ہبلی، ضلع دھارواڑ، کرناٹک۔ فون: 8904008082

مکتبۂ طیبہ: مسجد یا رسول اللہ، ایم ایس نوری چوک، مالیگاؤں۔ فون: 9145545480

مکتبۂ طیبہ: شاخ سنّی دعوتِ اسلامی، مڈگاوں، گوا۔ فون: 9422446746

نیو سلور بُک ایجنسی: فینسی محل، محمد علی روڈ، ممبئی۔ ۳۔ فون: 9323406784

ناز بُک ڈپو: فینسی محل، محمد علی روڈ، ممبئی۔ ۳۔ فون: 9322255763

اقرا بُک ڈپو: ۳۰/ بی، نور منزل، محمد علی روڈ، ممبئی۔ فون: 8080270400 / 23410140

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ

’’وَہن‘‘ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے ’’ضعف فی العمل‘‘۔ یہ ایسی صفت ہے جو انسان سے عمل کے جذبے کو سلب کر لیتی ہے اور اسے آگے بڑھنے سے روکتی ہے۔ جس قوم کے دل میں ’’وہن‘‘ پیدا ہو جائے تو تعداد چاہے جتنی بھی بڑی ہو وہ قوم اپنے آپ کو مدمقابل کے سامنے کمتر اور حقیر سمجھنے لگتی ہے۔

ہم گزشتہ ادوار کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ کی راہ میں نکلنے والے اور خدا کے دین کے لیے لڑنے والے ’’وہن‘‘ سے بہت دور ہوتے تھے، یہی وجہ تھی کہ قلتِ تعداد کے باوجود اور جنگی اسباب کی فراوانی نہ ہونے کے باوجود بڑی بڑی طاقتیں ان کے سامنے ماند پڑ جایا کرتی تھیں۔ خود قرآنِ مقدس ارشاد فرماتا ہے:

وَكَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّیُّوۡنَ كَثِیۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ○

(سورۂ آلِ عمران، آیت: ۱۴۶)

ترجمہ: اور کتنے ہی انبیا نے جہاد کیا ان کے ساتھ بہت خدا والے تھے، تو نہ سُست پڑے اُن مصیبتوں سے جو اللہ کی راہ میں انھیں پہنچیں اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں۔

اس آیۂ مقدسہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ انبیاے کرام کے ساتھ راہِ حق میں جہاد کرنے والوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے اس کے باوجود وہ ’’وہن‘‘ کے شکار نہیں ہوئے بلکہ راہِ

حق میں ڈٹے رہے۔

غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں کو جانی ومالی بہت بڑا خسارہ پیش ہوا اس وقت آگے بڑھنے اور مزید تگ ودو کرنے کی طاقت انسان میں نہیں رہ جاتی۔مگر اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○

(سورۂ آلِ عمران،آیت:۱۳۹)

ترجمہ:اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ،تمھیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔

یعنی تمھارا جذبۂ ایمانی سلامت ہے،اسلام کے لیے تمھارے دلوں میں اخلاص ہے اور دین حق کے لیے جہاد کرنے کا تمھارے دل میں جذبہ ہے تو تمھیں ’’وہن‘‘ کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں۔ایمان کی شرط کے ساتھ غلبہ اور بلندی تمھارے ہی لیے ہے۔

آج ہم وہن کے شکار کیوں ہیں؟

آج بھلے ہی دنیا کا ہر چوتھا انسان مسلمان کہلاتا ہو لیکن بین الاقوامی سطح پر انسانیت کو متاثر کرنے والی پالیسیوں اور فیصلوں میں مسلمانوں کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔آج اگر ہم اسلام کے نام پر جاری حکومتوں کی طاقت وقوت کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ ان کے پاس دفاعی قوت کی کوئی کمی نہیں ہے۔مگر مسلم ممالک کی طاقت وقوت کے باوجود حال یہ ہے کہ یہود ونصاری جس ملک کو چاہتے ہیں اپنی بربریت کا نشانہ بناتے ہیں اور مسلم دنیا ہاتھ پر ہاتھ دھرے دیکھتی رہتی ہے۔

حد تو یہ ہے کہ مسلم ممالک بھی اپنے اندرونی معاملات پر آزادانہ فیصلہ نہیں لے پا رہے ہیں۔کہیں کسی پر کوئی اقتصادی پابندی عائد کر دی جاتی ہے تو کہیں کسی بہانے سے جنگ چھیڑ دی جاتی ہے۔

’’وہن‘‘ کیوں پیدا ہوا؟

تعداد کے اعتبار سے دنیا کی دوسری بڑی قوم اور دفاعی قوتوں میں مضبوط ہونے کے باوجود مسلم قوم اس قدر لاچار اور مجبور کیوں ہے؟ ان کی اس لاچاری اور مجبوری کے بارے میں حدیث پاک میں چودہ سو سال پہلے ہی خبر دے دی گئی تھی۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سیدِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قریب ہے کہ (گمراہ) قومیں تمھارے خلاف (لڑنے کے لیے) دوسری قوموں کو بلائیں جس طرح کھانے والے کھانے کے برتن کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ کسی نے عرض کی: کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہونے کی وجہ سے ایسا ہوگا؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس وقت تم زیادہ ہوگے، لیکن تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ہوگے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کے دلوں سے تمھاری ہیبت نکال دے گا اور تمھارے دل میں ’’وہن‘‘ ڈال دے گا۔

کسی نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! ’’وہن‘‘ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔

(مشکوٰۃ المصابیح، حصہ سوم، ص: ۱۴۷۴)

حدیث پاک میں جو خبر دی گئی تھی آج وہ ہو بہو سچ ہوتی نظر آرہی ہے۔ اس روایت کے ایک ایک جملے کو غور سے پڑھیں اور پھیر حالاتِ حاضری کا جائزہ لیں۔

قریب ہے کہ (گمراہ) قومیں تمہارے خلاف (لڑنے کے لیے) دوسری قوموں کو بلائیں جس طرح کھانے والے کھانے کے برتن کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں:

آج دنیا میں چاروں طرف اس کے نظارے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

جرمن حکومت کے مطابق سال ۲۰۱۷ء میں جرمنی میں مسلمانوں پر ۹۵۰ کے قریب حملے ہوئے۔ جن میں ۶۰ کے قریب حملے مساجد اور دیگر اسلامی سینٹرز پر ہوئے۔ خواتین کو حجاب پہننے پر بھی حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔ جرمنی کی کل آبادی ۸۲ ملین سے زائد ہے۔ جن میں ۴۷ لاکھ کے قریب مسلمانوں کے ساتھ جرمنی فرانس کے بعد مغربی یورپ کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ جرمنی میں بسنے والے مسلمانوں میں ۳۰ لاکھ کے لگ بھگ مسلمان ترک نژاد ہیں۔ شامی خانہ جنگی کے بعد جرمنی سمیت یورپ میں بسنے والے مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز رویوں میں اضافہ ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی حقوق کے نام نہاد علم بردار یورپی ممالک بھی شامی مہاجرین کو پناہ نہیں دے رہے ہیں اور مسلم نسل کشی اور اسلاموفوبیا (Islamophobia) میں انسانی اقدار تک کو بھول گئے ہیں۔

یہی حال اسپین کا ہے۔ وہاں سال ۲۰۱۷ء میں ۵۴۰ کے قریب اسلاموفوبیا کے کیس ریکارڈ ہوئے۔

جرمنی اور اسپین کے بعد یہی صورت حال برطانیہ، فرانس، اٹلی، ہالینڈ، نیدرلینڈ جیسے دیگر یورپی ممالک کا ہے۔ جہاں پر مختلف سیاسی پارٹیوں کے لیڈر عوام کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر ووٹ کے لیے کمپین چلا رہے ہیں۔ میڈیا کے ذریعے سرعام مسلمانوں کے خلاف عوامی جذبات کو بھڑکایا جارہا ہے۔

یورپ میں حالیہ اسلام دشمنی کی لہر ۲۰۱۵ء سے بڑھنا شروع ہوئی۔ پہلی بار یورپی ملک جمہوریہ چیک کے صدر اور سابق انگلش ڈیفنس لیگ کے رہنما نے یورپ میں اسلام دشمنی میں تقریریں کیں۔ بعد ازاں جرمنی میں پگیڈا (Pegida) نامی اسلام دشمن تحریک چلائی گئی۔ یورپی ملک سلواکیہ (Slovakia) کے وزیر اعظم نے یورپ سے مطالبہ کیا کہ وہ یورپ میں مسلمانوں کی مذہبی آزادی پر پابندی لگائے۔ اسلام دشمنی میں بڑھ چڑھ کر حصے لینے پر

ہنگریہ (Hungaria) کے وزیر اعظم اربن کو یورپ میں ہیرو قرار دیا گیا۔

۱۹۴۸ء میں برطانیہ نے برما کو آزاد تو کر دیا مگر مسلمانوں پر ظلم وستم کا سلسلہ آج تک جاری ہے، حتیٰ کہ امن کی نوبل انعام حاصل کرنے والی آنگ سان سوچی کے برما کا حکمران بننے کے باوجود غریب وکمزور مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے۔ ۱۹۴۸ء سے لے کر آج تک بدھوں نے نہ تو بین الاقوامی قوانین کا لحاظ رکھا ہے اور نہ ہی انسانیت کا کوئی عنصر اُن میں موجود ہے بلکہ وہ درندوں کی طرح وقتاً فوقتاً ہزاروں غریب مسلمانوں کو اس طرح قتل کرتے ہیں کہ انسانیت بھی شرمسار ہو جاتی ہے۔ سوشل میڈیا کے ذریعہ اُن کی حیوانیت کے مناظر دیکھ کر انسانوں کی آنکھوں سے آنسوں بہہ جاتے ہیں۔

ہمارے ہمسائے میں ہی ایغور مسلمان چین کے علاقے سنکیانگ میں رہائش پذیر ہیں۔ ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کا سن کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ چینی حکومت نے انھیں کنسنٹریشن کیمپ (Concentration Camp) میں رکھا ہوا ہے۔ وہ غلاموں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں، ان پر ہر طرح کی مذہبی پابندی ہے، اپنے پاس قرآن بھی نہیں رکھ سکتے ہیں۔ مادری زبان تک بولنے پر پابندی ہے۔ وہ کوئی کاروبار اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے ہیں۔ بیماری اور تشدد کی وجہ سے ایغور مسلمانوں کی اموات بھی ہو جاتی ہیں۔ لیکن کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔ کسی صحافی تک کو ان کنسنٹریشن کیمپ کا دورہ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اگر کسی صحافی یا خبر رساں ادارے کو ایغور مسلمانوں سے ملنے کی اجازت دی بھی جائے تو انھیں مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ چینی حکومت کے احکامات کے مطابق بیان دیں کہ ایغور مسلمان اپنی مرضی سے کنسنٹریشن کیمپ (Concentration Camp) میں رہ کر کچھ علوم سیکھ رہے ہیں۔ جب کہ انھیں زبردستی کمیونزم (Communism) اور چینی ثقافت اپنانے پر مجبور کیا جا رہا ہوتا ہے۔

امریکا کی اسلام دشمنی تو برسوں سے مشہور رہے۔ بل کلنٹن ہو یا جارج ڈبلیو بُش، اسلام دشمنی میں پیش پیش نظر آتے رہے ہیں۔ 2016ء میں ڈونلڈ ٹرمپ نے بھی انتخابی مہم کے

دوران اسلام دشمنی کا کھل کر اظہار کیا، صدر منتخب ہونے کے بعد باقاعدہ اسلام کو دہشت گردانہ مذہب قرار دیا اور بعض اسلامی ملکوں کے لیے امریکا داخلے پر پابندی لگائی۔

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بشمول یورپ و امریکا دنیا بھر میں کس طرح ایک منظم منصوبے کے تحت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز تحریکیں چلائی جا رہی ہیں۔ جس کا بنیادی ہدف اسلام اور مسلمانوں کو دنیا بھر میں کمزور کرنا ہے۔

اب حدیث پاک کے اس حصے کا ملاحظہ کریں:

کسی نے عرض کی: کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہونے کی وجہ سے ایسا ہوگا؟ حضور صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس وقت تم زیادہ ہو گے، لیکن تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ہو گے۔

اس وقت دنیا کی آبادی سات ارب کے قریب پہنچ چکی ہے، جس میں سے ایک ارب ساٹھ کروڑ سے زائد آبادی مسلمانوں کی ہے۔ عالمی سطح پر اسلام دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے جب کہ دنیا کا ہر چوتھا فرد مسلمان ہے۔ دنیا کی آبادی کا ۲۵ ؍فی صد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور ماہرین کا کہنا ہے کہ دنیا میں آئندہ کچھ سالوں میں اس آبادی میں ۳۵ ؍فی صد اضافہ ہو جائے گا اور ۲۰۳۰ء تک مسلمانوں کی آبادی دو ارب بیس کروڑ سے تجاوز کر جائے گی۔ اس وقت دنیا کے ۲۰۰ ؍ممالک میں سے ۵۵ کے قریب مسلم ممالک ہیں، ان کے علاوہ دنیا کے ۵۵ سے زائد ممالک میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی ہے۔ دنیا کے باقی ممالک میں بھی مسلمانوں کی آبادی اقلیت کے طور پر پائی جاتی ہے۔ ایک برطانوی نشریاتی ادارے نے واشنگٹن کے ایک ریسرچ سینٹر کی تحقیق کے حوالے سے لکھا کہ سال ۲۰۷۰ء تک اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن جائے گا۔

ہم دنیا بھر میں مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیں تو اچھی طرح سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ

حدیث پاک کے الفاظ ”تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ہو گے“ ہو بہو سچ ثابت ہو رہے ہیں اور اس وقت مسلمانوں کی دنیا میں کسی بھی سطح پر کوئی وقعت اور کوئی گرفت باقی نہیں رہ گئی ہے۔اس بے وقعتی کی وجہ بھی حدیث پاک میں بیان فرمائی گئی ہے کہ:

اللّٰہ تعالٰی تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دل میں ”وھن“ ڈال دے گا۔

آج دنیا میں مسلمانوں پر جہاں کہیں ظلم ہو رہا ہے یہ اسی کے نتیجے میں ہے۔ پہلے کے مسلمانوں میں اور اب کے مسلمانوں میں ایک بہت بڑا فرق ہے کہ پہلے کے مسلمان ”وہن“ سے دور تھے اس لیے کم تعداد میں ہونے کے باوجود ساری دنیا پر ان کا دبدبہ تھا۔اس زمانے میں مسلمان ”وہن“ کے شکار ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے اُن کا دبدبہ ختم ہو چکا ہے۔

کسی نے عرض کی: یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیک وسلم! ”وھن“ کیا ھے؟ آپ نے فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔

آج ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو بخوبی اندازہ ہوگا کہ ہر طرف مسلمانوں میں یہ دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔(۱) عموماً لوگ حبِّ دنیا کے شکار ہیں۔(۲) موت جو کہ ایک حقیقت ہے اور جس سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے اس سے لوگ نفرت کرتے نظر آتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آج ہر طرف مسلمان ”ضعف فی العمل“ کے شکار ہیں۔

اس حدیث پاک کو بغور پڑھیں اور اس کے بعد آج دنیا کے حالات کا جائزہ لیں تو اچھی طرح سے اندازہ ہوگا کہ حدیث پاک کا ایک ایک لفظ ہو بہو ثابت ہوا۔دنیا میں مسلمانوں پر کس قدر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں کہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، باطل قوتیں کس طرح سے ہمیں نوچ کھانے کو تیار ہیں یہ کوئی پوشیدہ امر نہیں ہے، حالاں کہ تعداد کی بات کی جائے تو دنیا میں بسنے والا ہر چوتھا شخص مسلمان ہے۔

ایسے حالات کیوں پیدا ہو گئے ہیں اس کے جو اسباب حدیث پاک میں بیان کیے گئے ہیں وہ اسباب بھی آج ہماری قوم میں خوب خوب پائے جارہے ہیں۔ دنیا کی محبت ہمارے دلوں میں اس قدر گھر کر چکی ہے کہ ہم اس کی وجہ سے آخرت کو بالکل فراموش کر چکے ہیں اور موت سے نفرت کا عالم یہ ہے کہ ہم یہ تصور کرنا بھی پسند نہیں کرتے کہ ایک دن ہمیں اس دنیا سے جانا ہے اور ہمیں موت کا جام پینا ہے۔

اس لیے آئندہ صفحات میں ہم قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں دنیا کی حقیقت، اس سے دل لگانے کے نقصانات اور اس سے کنارہ کشی کے فوائد پر روشنی ڈالیں گے اور ساتھ ہی ساتھ موت کی حقیقت اور اس سے دور بھاگنے کے نقصانات سے متعلق اہم اور ضروری باتیں بھی پیش کریں گے۔

دنیا سے محبت

''دُنْیَا'' عربی لفظ ہے، یہ اسم تفضیل مؤنث کا صیغہ ہے، اس کا لغوی معنی ہے بہت زیادہ گھٹیا۔ اس لفظ سے ہی دنیا کی حقیقت آشکارا ہے کہ یہ لَو لگانے کی چیز نہیں ہے اس لیے کہ کسی بھی حقیر، ذلیل اور گھٹیا چیز سے کوئی شخص محبت کرنا پسند نہیں کرتا ہے۔

قرآنِ مقدس اور احادیث مبارکہ میں جگہ جگہ دنیا کی حقیقت واضح کی گئی ہے اور مسلمانوں کو اس کی سچائی سے آگاہ کیا گیا ہے۔ چند آیات ملاحظہ کریں:

دنیا کی زندگی محض لہو ولعب ہے

''لہو'' اسے کہتے ہیں جس سے کسی قسم کا کوئی فائدہ نہ ملے اور ''لعب'' کا مطلب ہوتا ہے کھیل کود جس میں وقتی طور پر مزا ہوتا ہے، پھر جیسے ہی کھیل ختم ہو جائے، مزا ختم ہو جاتا ہے۔

قرآنِ مقدس نے دنیوی زندگی کو لہو اور لعب قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ (سورۂ عنکبوت، آیت: ۶۴)

ترجمہ: اور یہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور بے شک آخرت کا گھر ضرور وہی سچّی زندگی ہے، کیا اچھا تھا اگر جانتے۔

اس آیۂ مقدسہ میں دنیوی زندگی کی حقیقت واضح کی جا رہی ہے کہ یہ دنیوی زندگی ایسے ہے جیسے بچے جمع ہوتے ہیں اور کھیل میں مگن ہو جاتے ہیں اور پھر کھیل چھوڑ کر سب کے سب منتشر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ دنیا کی زندگی ہے کہ دنیا میں آنے والے اس میں مگن ہو جاتے ہیں اور پھر اچانک سے اسے چھوڑ کر روانہ ہونا پڑتا ہے۔ اس کے مقابل میں آخرت کی زندگی دائمی، دیرپا اور پائیدار ہے۔ لہٰذا دنیا میں رہ کر آخرت کی فکر اور اس کی تیاری کرنے

والے درحقیقت عقلمندی کا کام کر رہے ہیں اور جو لوگ دنیا کی زندگی میں مگن ہو کر آخرت کو بھولے بیٹھے ہیں وہ یقیناً نقصان اٹھانے والے ہیں۔

دنیوی زندگی کی حقیقت

انسان دنیا میں مال وزر کی فراوانی اور دنیا کی چکا چوندھ دیکھ کر دھوکا کھا جاتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ یہی سب کچھ ہے۔ ایسے لوگوں پر دنیوی زندگی کی حقیقت ان الفاظ میں واضح کی جارہی ہے:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ (سورۂ آلِ عمران، آیت:۱۸۵)

ترجمہ: اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے۔

دنیا کی حقیقت اس آیۂ مقدسہ میں صاف صاف واضح کی جارہی ہے کہ ایک شخص دنیوی زندگی کو دیکھ کر دھوکے میں پڑ جاتا ہے، اسی کو سرمایہ سمجھنے لگتا ہے اور فرصت کے اوقات کو بے کار ضائع کر دیتا ہے۔ اخیر میں اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بقا نہیں تھی، اس میں دل لگانا حیاتِ باقی یعنی اخروی زندگی کے لیے سخت نقصان دہ ثابت ہوا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: دنیا طالبِ دنیا کے لئے متاعِ غرور اور دھوکے کا سرمایہ ہے لیکن آخرت کے طلب گار کے لئے دولتِ باقی کے حصول کا ذریعہ اور نفع دینے والا سرمایہ ہے۔

دنیا کی زندگی میں محو ہو جانے والوں کی مثال قرآن مقدس میں دو بھائیوں کے واقعے کے ذریعے سمجھائی گئی ہے۔ قرآنی آیات کا محض ترجمہ پیش کیا جارہا ہے:

اور ان کے سامنے دو مردوں کا حال بیان کرو کہ ان میں ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیے اور ان کو کھجوروں سے ڈھانپ لیا اور ان کے بیچ بیچ میں کھیتی رکھی۔ (سورۂ کہف، آیت:۳۲)

یہ بنی اسرائیل میں دو بھائی تھے، ایک کافر تھا جس کا نام قطروس تھا، دوسرا مسلم تھا جس کا نام یہوذا تھا۔ دونوں کو اپنے والد کی وراثت میں آٹھ ہزار دینار ملے، ان دونوں نے دو حصوں میں بانٹ لیے۔ کافر نے ایک ہزار دینار سے زمین خریدی، یہ دیکھ کر مومن نے کہا: اے اللہ! میرے بھائی نے ایک ہزار دینار میں زمین خریدی ہے، میں ایک ہزار دینار میں جنت میں زمین خریدتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے ایک ہزار دینار صدقہ کر دیا۔ پھر اس کے بھائی نے ایک ہزار دینار سے گھر بنایا، یہ دیکھ کر اس نے کہا کہ اے اللہ! میرے بھائی نے ایک ہزار دینار میں گھر بنایا ہے اور میں تجھ سے جنت میں محل خریدتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے ایک ہزار دینار صدقہ کر دیا۔

پھر اس کے بھائی نے ایک ہزار دینار مہر میں دے کر ایک عورت سے شادی کی، اس پر اس نے کہا کہ اے اللہ! میں ایک ہزار دینار حوروں کا مہر بناتا ہوں اور اس نے ایک ہزار دینار صدقہ کر دیا۔ پھر اس کے بھائی نے ایک ہزار دینار میں خدام اور ساز وسامان خریدے تو اس نے کہا: اے اللہ! میں ایک ہزار دینار میں ولدانِ مخلدین (ہمیشہ رہنے والے لڑکے) خریدتا ہوں اور اس نے ایک ہزار دینار صدقہ کر دیے۔ پھر اسے کوئی ضرورت پیش آئی تو اپنے بھائی کے راستے میں بیٹھ گیا۔ اس کا بھائی اپنے لاؤلشکر کے ساتھ گزرا تو یہ اس کے سامنے کھڑا ہو گیا، اس نے اسے راستے سے ہٹا دیا اور اپنا مال صدقہ کرنے پر اس پر ملامت کرنے لگا۔ (تفسیر مدارک التنزیل، ذیل آیۂ مذکورہ)

اس کافر سرمایہ دار اور اس نادار مسلم کے درمیان جو کچھ معاملہ ہوا اسے قرآنِ مقدس نے اس طرح سے بیان فرمایا ہے:

> دونوں باغ اپنے پھل لائے اور اس میں کچھ کمی نہ دی اور دونوں کے بیچ میں ہم نے نہر بہائی۔ اور وہ پھل رکھتا تھا تو اپنے ساتھی سے بولا اور وہ اس سے تکرار کر رہا تھا میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور آدمیوں کا زیادہ زور

رکھتا ہوں ۔ اپنے باغ میں گیا اور اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا بولا مجھے گمان نہیں کہ یہ کبھی فنا ہو اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو اور اگر میں اپنے رب کی طرف پھر کر گیا بھی تو ضرور اس باغ سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا۔

اس کے ساتھی نے اس سے بحث ومباحثہ کرتے ہوئے جواب دیا کیا تو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا پھر نتھرے (صاف شفاف) پانی کی بوند سے پھر تجھے ٹھیک مرد کیا۔لیکن میں تو یہی کہتا ہوں کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں کرتا ہوں ۔ اور کیوں نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں گیا تو کہا ہوتا جو چاہے اللہ ہمیں کچھ زور نہیں مگر اللہ کی مدد کا۔ اگر تو مجھے اپنے سے مال و اولاد میں کم دیکھتا تھا تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے اچھا دے اور تیرے باغ پر آسمان سے بجلیاں اتارے تو وہ پٹ پر میدان (چٹیل، بے کار) ہو کر رہ جائے ۔ یا اس کا پانی زمین میں دھنس جائے پھر تو اسے ہرگز تلاش نہ کر سکے ۔

اور اس کے پھل گھیر لیے گئے تو اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اس لاگت پر جو اس باغ میں خرچ کی تھی اور وہ اپنی ٹٹیوں (چھپڑوں) پر گرا ہوا تھا اور کہہ رہا ہے اے کاش میں نے اپنے رب کا کسی کو شریک نہ کیا ہوتا۔ اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ کے سامنے اس کی مدد کرتی نہ وہ بدلہ لینے (کے) قابل تھا۔ یہاں کھلتا ہے کہ اختیار سچے اللہ کا ہے ۔ اس کا ثواب سب سے بہتر اور اسے ماننے کا انجام سب سے بھلا۔

اس واقعے سے پتہ چلا کہ جو لوگ دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں اور دنیا میں کھو کر آخرت کو بھول جاتے ہیں دراصل وہ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں ۔ پھر ایک دن جب ان کا دنیوی اثاثہ ختم ہو جاتا ہے تب انھیں احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے تو بڑے گھاٹے کا سودا

کیا ہے۔اس کے مقابل میں جو دنیا کو آخرت کی کھیتی بناتے ہیں اور اس میں آخرت کی تیاری کرتے ہیں وہ دنیا میں بھی مطمئن رہتے ہیں اور آخرت میں تو انھیں عیش وعشرت کا ایسا سامان میسر آئے گا جو کبھی فنا ہونے والا نہیں ہے۔

مذکورہ واقعہ بیان فرمانے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیوی زندگی کی مثال ان الفاظ میں پیش فرمائی:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ○ (سورۂ کہف، آیت:۴۵)

ترجمہ: اور ان کے سامنے زندگانی دنیا کی کہاوت بیان کرو جیسے ایک پانی ہم نے آسمان سے اتارا، تو اس کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہو کر نکلا کہ سوکھی گھاس ہوگیا جسے ہوائیں اڑائیں اور اللہ ہر چیز پر قابو والا ہے۔

اس آیت میں دنیا کی تروتازگی اور اس کے بعد اس کی ہلاکت کو سبزہ کی مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح سبزہ تروتازہ ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد سوکھ کر فنا ہو جاتا ہے اور ایسا نیست ونابود ہو جاتا ہے کہ اس کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔اسی طرح دنیوی زندگی کا حال ہے کہ آج اس کی رعنائیوں میں گم ہونے والے جان لیں کہ دنیا ہمیشہ نہیں رہے گی، اسے ایک نہ ایک دن فنا ہونا ہے۔

کہیں دھوکے میں مت پڑ جانا

دنیا کی حیثیت قرآن مقدس میں جگہ جگہ واضح کی گئی ہے۔پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو آگاہ بھی کر دیا کہ دنیا میں اپنی زندگی گزارو، اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ لیکن خبردار! اس کی رنگینیاں دیکھ کر دھوکے میں مت پڑ جانا۔ارشادِ قرآن ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ○ (سورۂ فاطر، آیت:۵)

ترجمہ: اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچ ہے تو ہرگز تمھیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی اور ہرگز تمھیں اللہ کے حلم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی۔

دنیا کی زندگی میں کھوجانے کا انجام

دنیا کی زندگی میں کھوجانا بھیانک انجام کا باعث ہے۔ ایسے لوگ جو دنیا کے فریب میں گرفتار ہو کر آخرت کو فراموش کر بیٹھتے ہیں ان کے لیے جہنم کا عذاب تیار کیا جا چکا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ○ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○ (سورۂ یونس، آیت:۷)

ترجمہ: بے شک وہ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں، ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ ان کی کمائی کا۔

مردار سے زیادہ ذلیل

یہ دنیا جس کے پیچھے آج لوگ بھاگ رہے ہیں اور جسے حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتے ہیں اس کی حیثیت اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک کیا ہے اسے اس حدیث پاک میں سمجھیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بکری کے چھوٹے کانوں والے مردار بچے کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: اسے ایک درہم میں خریدنا کون پسند کرے گا؟ لوگوں نے عرض کی: ہم تو اسے کسی بھی قیمت پر نہیں خرید سکتے ہیں۔ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَوَاللّٰہِ لَلدُّنْیَا اَھْوَنُ عَلَی اللّٰہِ مِنْ ھٰذَا عَلَیْکُمْ۔

ترجمہ: خدا کی قسم! یقیناً دنیا اللہ کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ ذلیل ہے جتنا یہ بکری کا بچہ تمھارے نزدیک ذلیل ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، حصہ سوم، ص: ۱۴۲۷)

جس طرح سے بکری کا ایک مردار بچہ اگر ہمیں کوئی بغیر قیمت کے بھی دے دے تب بھی ہماری نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوگی اسی طرح مومن کی نظر میں دنیا کی کوئی وقعت نہیں ہونی چاہیے۔

اکثر لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں

دنیا میں انسان کو دو چیزیں ملتی ہیں۔ (۱) صحت (۲) وقت۔ حال یہ ہے کہ انسان دنیا جمع کرنے کے چکر میں وقت اور صحت دونوں گنوا بیٹھتا ہے اور پھر صحت حاصل کرنے کے چکر میں دنیا کی حاصل کی ہوئی پونجی بھی گنوا بیٹھتا ہے۔ آخر میں حاصل کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اسی کی جانب اس حدیث پاک میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْھِمَا کَثِیْرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّۃُ وَالْفَرَاغُ۔

(صحیح البخاری، حصہ ہشتم، ص: ۸۸)

ترجمہ: دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔ ایک صحت اور دوسری خالی وقت۔

صحت اور وقت یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ دو عظیم نعمتیں ہیں۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں جن کا استعمال کر کے ہم آخرت کی بھرپور تیاری کر سکتے ہیں۔لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ان نعمتوں کا استعمال ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں کرتے ہیں۔ پھر جب عمر ڈھل جاتی ہے اور صحت خراب ہو جاتی ہے تب کہیں جا کر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہمیں جو موقع میسر آیا تھا ہم نے اسے ضائع کر دیا۔

پیٹ نہیں بھر سکتا

سوال یہ ہے کہ انسان کو دنیوی مال و دولت کا کتنا حصہ مل جائے تو وہ مطمئن ہو جائے گا؟یقیناً جواب وہی ہوگا جو اس حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ۔ (صحیح البخاری، حصہ ہشتم، ص:۹۲)

ترجمہ: اگر انسان کے لیے مال کی دو وادیاں ہو جائیں تب بھی وہ تیسری طلب کرے گا اور انسان کا پیٹ مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی ہے۔

ہمارا حال یہی ہے کہ ہم پوری زندگی مال و دولت حاصل کرنے کی اس قدر فکر میں رہتے ہیں کہ ہمیں چاہے جس قدر بھی دولت مل جائے، مزید کی طلب ہمارے دل سے نہیں نکلتی ہے۔ پوری زندگی دولت کی ہوس میں گزر جاتی ہے،بس مال آنا چاہیے، چاہے جہاں سے بھی آئے۔مال و دولت کی طلب میں بہت سے لوگ تو اس قدر اندھے ہو چکے ہیں کہ حلال ذریعے سے آرہا ہے یا حرام ذریعے سے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔ پھر اچانک سے دنیا سے جانے کا وقت آجاتا ہے اور سارا کا سارا مال اور ساری کی ساری دولت یہیں دھری کی دھری رہ

جاتی ہے۔

وارث کا مال کسے پسند ہے؟

انسان اپنی پوری زندگی مال جمع کرنے میں بسر کر دیتا ہے۔ پھر ایک دن دنیا سے جانے کا وقت آجاتا ہے اور مال و دولت دنیا میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اس کی دولت اس کے ورثہ آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور اسے اپنے مال سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہی میسر نہیں آتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کون ایسا ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! کسی کو بھی اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہوگا۔ اس پر آقاے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ، وَمَالُ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ۔

ترجمہ: اس کا مال تو وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا ہے اور جو وہ پیچھے چھوڑ کر آرہا ہے وہ تو اس کے وارث کا مال ہے۔ (صحیح البخاری، حصہ ہشتم، ص: ۹۳)

اس حدیث پاک میں ایسا طریقہ بتایا گیا ہے جس پر عمل کر کے ہم دنیوی مال و دولت سے آخرت میں بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں مال و دولت عطا فرمائے تو اسے بقدر ضرورت دنیوی آسائشوں کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اپنے لیے آخرت کا سامان بنائیں۔ اس لیے کہ دنیا میں جو چھوڑ کر چلے جائیں گے اس کا فائدہ صرف وارثوں کو ملے گا، ہمیں اس کا کچھ فائدہ نہیں ملے گا۔ ہمارا صرف وہ مال ہمارے مرنے کے بعد ہمارے

لیے فائدے مند ہوگا جو ہم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے۔

ایک حدیث حضرت مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس وقت آپ سورۃ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ کی تلاوت فرمارہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

يَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ: مَالِيْ مَالِيْ وَهَلْ لَّكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِلَّا مَا اَكَلْتَ فَاَفْنَيْتَ اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَيْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتَ؟

(مشکوٰۃ المصابیح، حصہ سوم، ص: ۱۴۲۹)

ترجمہ: انسان کہتا ہے: میرا مال، میرا مال۔ اے انسان! تیرا مال تو صرف وہ ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا، یا پہن کر پرانا کر دیا، یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔

اس حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ انسان ''میرا مال'' ''میرا مال'' کہتا رہتا ہے۔ اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا مال تو در حقیقت وہی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھالے۔ جو مال دنیوی زندگی میں اپنی ضروریات کے لیے خرچ کرے وہ مال اس کا ہوا، مثلاً کھا پی کر ختم کر دیا، پہن اوڑھ کر پرانا کر دیا۔ اس کے علاوہ فضولیات میں جو خرچ کرے اسے تو قیامت کے دن اس کا وبال بھی اٹھانا پڑ سکتا ہے۔ ہاں! البتہ ایک مال ایسا ہے جس سے اسے دنیا اور آخرت دونوں میں فائدہ ملے گا اور وہ مال وہ ہے جسے اس نے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اپنے لیے آخرت کا سامان بنالیا۔

مذکورہ حدیث پاک میں جس سورۂ مبارکہ کی نبی کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تلاوت فرمارہے تھے، اس پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں۔ فرمانِ قرآن ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○

ترجمہ: تمھیں غافل رکھا مال کی زیادہ طلبی نے۔

یعنی دنیا کی طلب میں تم اس قدر گم ہو گئے کہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو گئے۔ دنیا کی

محبت نے تمھیں خالق دنیا کی محبت سے دور کر دیا۔ دنیا کی فکر میں تم اس کے پیدا کرنے والے کی اطاعت و بندگی سے بے پرواہ ہو گئے۔ دنیا میں اس قدر محو ہو گئے کہ یہ بھی بھول گئے کہ ایک دن تمھیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر اپنی پوری زندگی کا حساب بھی دینا ہے۔ اس غفلت نے تمھیں چھل کپٹ میں مبتلا کر دیا، غریبوں کا حق مارنا، ماتحتوں پر ظلم ڈھانا، سود اور رشوت لینا، حلال وحرام کے درمیان کی تمیز کو بھول جانا تم نے اپنا شیوا بنا لیا۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ کثرت مال کی طلب اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والی ہو تو مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔ دنیا کی طلب اسی حد تک درست ہے جو آخرت کی فکر سے غافل نہ کرے، اگر کوئی شخص دنیا میں مستغرق ہو کر آخرت کو بھولے جا رہا ہے تو اس کی یہ دنیا طلبی اس کے لیے آخرت میں وبالِ جان بن جائے گی۔

کون غنی ہے؟

یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر آپ نے یہ نظریہ بنا لیا ہے کہ خوب خوب روپیہ پیسہ کما کر آپ غنی ہو جائیں گے تو یہ خیال اپنے دل سے نکال دیں۔ آپ نے خود اس بات کا تجربہ کیا ہو گا کہ ماہانہ دس ہزار کمانے والا یہ سوچتا ہے کہ اگر میں پانچ ہزار اور کما لوں تو میری زندگی مزید بہتر ہو جائے گی۔ اسے جب پندرہ ملنے لگتے ہیں تو وہ سوچتا ہے کہ اگر میں بیس ہزار ماہانہ کما لوں تو میری زندگی بہتر ہو جائے گی۔ اس طرح سے وہ لاکھوں بھی کمانے لگے تب بھی کبھی اپنی کمائی سے مطمئن نہیں ہوتا ہے بلکہ اسے مزید کی طلب ستاتے رہتی ہے۔ اسی لیے کثرتِ مال کو حدیث پاک میں ''غنی'' ہونے کی علامت نہیں قرار دی گئی ہے بلکہ غنی کون ہے اس کے بارے میں یہ حدیث پاک ملاحظہ کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ۔

(مشکوۃ المصابیح، حصہ سوم، ص: ۱۴۳۰)

ترجمہ: مال واسباب کی کثرت حقیقت میں مالداری نہیں ہے بلکہ مالداری یہ ہے کہ دل مطمئن ہو جائے۔

دل اسی وقت مطمئن ہوگا جب اللہ کے عطا کردہ پر شکر اور قناعت کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ یہ جذبہ جس کے دل میں موجود ہے وہ اپنے آپ کو سب سے بڑا مالدار محسوس کرتا ہے۔ اس لیے کہ جتنا اسے مل جاتا ہے اس سے مزید کی طلب میں وہ اپنی زندگی کو اکارت نہیں کرتا، بلکہ شکرِ خدا بجالاتا ہے اور اسی پر قناعت کر کے زندگی گزارتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور محنت ومشقت کرنا چھوڑ دیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری کوششوں اور محنتوں کے باوجود ہمیں خاطر خواہ آمدنی نہ ملے تو اس پر دل میں ملال پیدا کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ ملال پھر غلط راستے اپنانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ انسان اپنی ضرورتوں کو اپنی آمدنی کے اندر سمیٹنے کی کوشش کرے تو زندگی بہت آسانی سے گزر سکتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِرْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ۔ (ایضًا)

ترجمہ: اللہ نے تیرے لیے جو تقسیم فرمایا ہے اس پر راضی ہو جا، تو دنیا کا امیر ترین انسان بن جائے گا۔

اس لیے کہ اپنے دل کو مطمئن کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ ورنہ تو ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو کئی ممالک کی بادشاہت حاصل کرنے کے بعد بھی مطمئن نہیں تھے۔

مالداری پانے کا نسخہ

آج ہمارا حال یہ ہے کہ دن بھر محنت ومشقت کرنے کے بعد کہیں جا کر پیٹ پالنے بھر کی روزی حاصل کر پاتے ہیں۔عموماً لوگ اپنی آمدنی سے مطمئن نہیں ہیں اور دل مزید کی طلب میں ہمہ وقت لگا رہتا ہے۔آخر دل کو غنا کیوں حاصل نہیں ہو رہا ہے؟ دل آمدنی سے مطمئن کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ آئیے اس حدیث پاک میں ملاحظہ کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِبْنَ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِیْ اَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًی وَأَسِدَّ فَقْرَكَ وَاِنْ لَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَكَ شُغُلًا وَّلَمْ اَسُدَّ فَقْرَكَ۔ (مشکوۃ المصابیح،حصہ سوم،ص:۱۴۳۰)

ترجمہ: اے آدم کی اولاد! میری عبادت کے لیے وقت نکال، میں تیرے دل میں غنا بھر دوں گا اور تیرا فقر دور کر دوں گا۔اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو تیرے ہاتھوں کو کاموں سے بھر دوں گا اور تیرا فقر دور نہیں کروں گا۔

آج ہماری زندگی اس بات کی جیتی جاگتی تصویر ہے کہ ہمارے پاس کام اتنے ہیں کہ کرتے کرتے ہماری حالت خراب ہو جاتی ہے لیکن اس کے عوض میں ہمیں جو معاوضہ مل رہا ہے اس سے ہمارا دل کبھی مطمئن نہیں ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم اپنے کام دھام کے چکر میں پڑ کر اپنے رب کی عبادت کے لیے وقت صرف کرنا چھوڑ دیے ہیں۔ہمارے درمیان بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو دنیاداری میں مصروف ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت اور ذکر سے بے حد غافل ہو چکے ہیں۔پنج وقتہ نمازیں تو در کنار، جمعہ کی نماز پڑھنے کی بھی فکر نہیں ہوتی ہے۔اگر جمعہ کی نماز میں پہنچ بھی گئے تو بس کسی طرح سے دو رکعتیں ادا کیں اور فوراً مسجد سے باہر نکل گئے۔

بعض وہ ہیں جو دن میں ایک دو وقت کی پڑھ لیتے ہیں، وہ بھی فری بیٹھے ہیں تو پڑھ لیا اور کام میں مصروف ہیں تو چھوڑ دیا۔

دنیاداری میں اس قدر مصروف ہونے کے باوجود آج جو ہمارا دل ہماری آمدنی سے مطمئن نہیں ہے اس کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ فقر ہم پر عذاب کی صورت میں مسلط ہو چکا ہے۔ ایسے میں ہم چاہے جس قدر بھی کمالیں، دل میں غنا کبھی داخل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کے بالمقابل ہم کاروباری مصروفیتوں میں سے وقت نکال کر اللہ کا ذکر اور عبادت کریں، نماز پڑھیں اور دینی کاموں میں حصہ لیں تو غیب سے ہمیں سکون اور اطمینان کی دولت نصیب ہوگی اور فقر سے ہمیں نجات ملے گی۔

پانچ چیزوں کو غنیمت جانو

جب عبادت و بندگی کی طاقت ہو اور اس کا موقع میسر ہو تو اسے غنیمت جانتے ہوئے رب کی بندگی کرنی چاہیے، قبل اس کے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور پھر پچھتانے کی نوبت آجائے۔ اسی جانب اس حدیث پاک میں توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

حضرت عمرو بن میمون اودی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔

(مشکوۃ المصابیح، حصہ سوم، ص: ۱۴۳۰)

ترجمہ: پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو۔ (۱) بڑھاپے سے پہلے جوانی کو۔ (۲) بیماری سے پہلے صحت کو۔ (۳) محتاجی سے پہلے مالداری کو۔ (۴) مشغولی سے پہلے فراغت کو۔ (۵) موت سے پہلے زندگی کو۔

بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت جانو:

جوانی میں انسانی اعضا بڑھاپے کے مقابل زیادہ مضبوط ہوتے ہیں، ان میں عبادت و بندگی کے لیے زیادہ قوت ہوتی ہے اور محنت و مشقت کرنے سے تھکتے نہیں ہیں۔ اس لیے یہ سوچنا کہ ابھی جوانی کا وقت ہے، خوب دنیا کما لی جائے اور پھر جب بڑھاپا آجائے گا اور کام کرنے کی صلاحیت نہیں رہ جائے گی اس وقت مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کریں گے، یہ خیال درست نہیں ہے۔ کیوں کہ ہماری زندگی کے کتنے ایام باقی ہیں اس کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں ہے اور ہم بڑھاپے تک پہنچ بھی سکیں گے یا نہیں اس کی کیا گیارنٹی ہے؟

بیماری سے پہلے صحت کو غنیمت جانو:

اللہ رب العزت نے آخرت کی تیاری کرنے کا موقع دیا ہے، اعضا صحیح سلامت ہیں، ان کے ذریعے جس قدر ممکن ہو نیکیاں جمع کرتے چلو۔ اس لیے کہ کب اچانک سے کوئی اَن ہونی ہو جائے اور ہمارے اعضا میں وہ توانائی اور قوت نہ رہ جائے جو اس وقت موجود ہے، اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ آج ہم صحیح سلامت ہیں، کل کو خدا نہ خواستہ کسی بیماری نے اپنے چپیٹ میں لے لیا تو پھر ہمارے ہاتھ سے آخرت کی تیاری کا یہ موقع نکل جائے گا۔

محتاجی سے پہلے مالداری کو غنیمت جانو:

آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے اور ہمارے پاس اتنی پونجی ہے کہ ہم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کی تیاری کر سکتے ہیں تو ہمیں اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی دولت کو آخرت کی تیاری میں خرچ کرنا چاہیے۔ اس انتظار میں کہ کچھ دنوں کے بعد راہِ خدا میں خرچ کریں گے، موقع ہاتھ سے جانے دینا بے وقوفی کا کام ہے۔ کیوں کہ آئندہ کل ہمارا کیا حال ہوگا اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ آج اللہ عزوجل نے موقع عنایت فرمایا ہے اور ہم اپنی دولت سے اپنے لیے آخرت کا سامان جمع کر سکتے ہیں تو یہ موقع ہمیں ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔

مشغولی سے پہلے فراغت کو غنیمت جانو:

جب کاموں کا بوجھ کم ہو اس وقت لغویات میں اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں مصروف رکھا جائے یہی بہتر ہوتا ہے۔ ورنہ ایک وقت آتا ہے کہ جب ہم بال بچوں کی ذمے داریاں سنبھالنے میں مصروف ہو جاتے ہیں تو فرصت کے لمحات دھیرے دھیرے سمٹتے چلے جاتے ہیں، ایسے میں عبادت وبندگی کے لیے بھرپور وقت میسر آنا مشکل ہو جاتا ہے۔

موت سے پہلے حیات کو غنیمت جانو:

جب تک سانسیں چل رہی ہیں، شکرِ خدا اور ذکر خدا میں زندگی گزرے اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ اگر دنیا میں نیکیاں نہیں کی گئیں تو دنیا سے جانے کے بعد پچھتاوے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ جن لوگوں نے نیکیاں اکٹھا نہیں کیں، قیامت کے دن انھیں کس طرح سے حسرت ہوگی اس کا ذکر قرآنِ مقدس اس طرح فرماتا ہے:

يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۝ (سورۂ فجر، آیت: ۲۴)

ترجمہ: اس دن آدمی سوچے گا اور اب اسے سوچنے کا وقت کہاں؟ کہے گا: ہائے کسی طرح میں نے جیتے جی نیکی آگے بھیجی ہوتی۔

اس لیے زندگی ملی ہے تو اسے محض دنیا جمع کرنے میں نہیں صرف کرنا چاہیے بلکہ اس میں اپنی آخرت کی تیاری بھی کرنی چاہیے۔

ملعون ہے

’’لعنت‘‘ کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دور ہونا اور جو اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے اسے ’’ملعون‘‘ کہا جاتا ہے۔ دنیا کے بارے میں حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ یہ

ملعون ہے اور اس میں موجود کچھ چیزوں کے علاوہ باقی سب چیزیں ملعون ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ، مَلْعُوْنٌ مَّا فِیْھَا، اِلَّا ذِکْرَ اللّٰہِ، وَمَا وَالَاہُ، اَوْ عَالِمًا، اَوْ مُتَعَلِّمًا۔ (سنن ابن ماجہ، حصہ دوم،ص:۱۳۷۷)

ترجمہ: دنیا ملعون ہے اور اس میں موجود ساری چیزیں ملعون ہیں، سوائے اللہ کے ذکر کے اور ان چیزوں کے جو اللہ کے ذکر سے قریب کر دیں اور عالم و متعلم کے۔

یعنی دنیا کی چیزوں میں سے چند چیزیں ایسی ہیں جو ملعون نہیں ہیں۔(۱) ذکر خداوندی۔(۲) جو چیزیں ذکرِ الٰہی سے قریب کر دیں۔(۳) عالم۔(۴) طالب علم۔

دنیا کی کون سی چیزیں اختیار کی جائیں اور کون سی چیزوں سے پرہیز کیا جائے اس تعلق سے یہ حدیث پاک قاعدۂ کلیہ ہے۔ جو چیزیں خدا کے ذکر سے قریب کرنے والی ہیں، انھیں اختیار کر لیا جائے اور جو چیزیں خدا کے ذکر سے دور کرنے والی ہیں انھیں ترک کر دیا جائے۔ اب چاہے کاروبار ہو یا نوکری، روپیہ پیسہ ہو یا آسائش کا کوئی اور سامان، اگر نمازوں اور جماعتوں کی پابندی سے مانع ہے تو اس میں یقیناً کسی طرح کی بھلائی نہیں ہو سکتی اور اگر نمازوں اور ذکرِ خدا کے لیے معاون ہے تو وہ قابل اختیار اور باعث برکت ہے۔

آخرت کے مقابل دنیا کی مثال

یہ دنیا کی چقاچوندھ جس کے پیچھے ہم بھاگ رہے ہیں اور جس کے لیے ہم اپنی آخرت کو بھولتے چلے جا رہے ہیں، آخرت کی نعمتوں اور آسائشوں کے مقابل میں ان کی حیثیت کیا ہے اس کے تعلق سے یہ حدیث پاک ملاحظہ کریں۔

حضرت مستورد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

مَا مَثَلُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ، اِلَّا مَثَلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهٗ فِي الْيَمِّ، فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ۔ (سنن ابن ماجہ، حصہ دوم، ص:۱۳۷۶)

ترجمہ: آخرت کے مقابل میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈالے، پھر اسے باہر نکال کر دیکھے کہ اس کے ساتھ کیا لوٹا۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آخرت کی نعمتیں کس قدر کثیر ہیں کہ ان کے مقابل میں دنیا کی نعمتیں ایسی ہیں جیسے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈالے اور پھر اسے باہر نکال لے۔ سمندر آخرت کی نعمتوں کی مثال ہے اور انگلی پر جو پانی لگ جائے وہ دنیا کی نعمتوں کی مثال ہے۔ اس سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ آخرت کی تیاری چھوڑ کر اگر کوئی شخص دنیا میں محو ہو جائے تو وہ کس قدر گھاٹے کا سودا کرنے والا ہے کہ سمندر کو چھوڑ کر قطرے کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

دنیا سے کس قدر فائدہ اٹھائیں؟

دنیا میں آسائش کے سامان جو دیے گئے ہیں وہ اس لیے دیے گئے ہیں کہ ہم اپنی زندگی گزارنے میں ان سے مدد حاصل کریں اور آخرت کی تیاری میں ان سے سہولتیں حاصل کریں۔ یہ نعمتیں اس لیے نہیں دی گئی ہیں کہ ہم انھیں کے پیچھے پڑ کر آخرت کی فکر چھوڑ دیں۔ اسے ایک مثال کے ذریعے اس حدیث پاک میں سمجھایا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹ گئے جس سے آپ کے جسم مبارک میں نشان پڑ گئے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! میرے والدین آپ پر قربان! کیا ہی بہتر ہوتا کہ آپ ہمیں حکم فرماتے اور ہم اس چٹائی پر کچھ بچھا دیتے جس سے آپ کے جسم مبارک پر اس کے نشانات نہ پڑتے۔ اس پر حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا اَنَا وَالدُّنْيَا اِنَّمَا اَنَا وَالدُّنْيَا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ، ثُمَّ

رَاحَ وَتَرَکَھَا۔ (سنن ابن ماجہ، حصہ دوم، ص:۱۳۶۷)

ترجمہ: دنیا سے میرا کیا تعلق ہے؟ دنیا سے میرا تعلق بس اتنا ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کا سایہ اختیار کرلے، پھر اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جائے۔

بڑی انوکھی مثال کے ذریعے اس حدیث پاک میں سمجھایا گیا ہے کہ ایک مسافر کسی درخت کے نیچے اس کے سائے میں آرام کرنے کے لیے رکتا ہے تو اس سے دل نہیں لگا بیٹھتا ہے، بلکہ حسبِ ضرورت اس کا سایہ استعمال کرتا ہے اور پھر چلتے بنتا ہے۔ دنیا سے محض ضرورت بھر تعلق رکھنا ہی مناسب ہے، اس سے زیادہ لَو لگانا درست نہیں ہے۔

یوں سمجھیے کہ زندگی ایک کشتی ہے اور دنیوی مال واسباب اس کے لیے پانی کی طرح ہیں۔ جس طرح پانی کے بغیر کشتی نہیں چل سکتی اسی طرح دنیوی مال واسباب کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن پانی جب تک کشتی کے باہر ہے اس کے لیے فائدے مند ہے، جیسے ہی وہ کشتی میں داخل ہو جائے گا اسے نقصان پہنچانا شروع کر دے گا، اسی طرح دنیوی مال واسباب کی محبت جیسے ہی دل میں داخل ہو جائے گی نقصان پہنچانا شروع کر دے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندیشہ

آج ہم دنیا کی محبت میں جو گرفتار ہیں اور اس کے لیے جو فکرمند ہیں، سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہِ دوربین نے اس منظر کو آج سے چودہ سو سال پہلے ہی ملاحظہ فرما لیا تھا اور اس تعلق سے پہلے ہی آگاہ فرما دیا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس کے نقصانات کے بارے میں بھی آپ نے خبر دے دی تھی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ لَسْتُ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا، وَلٰکِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ

الدُّنْيَا اَنْ تَنَافَسُوْهَا ۔ (صحیح البخاری، حصہ پنجم،ص: ۹۴)

ترجمہ: تمھارے بارے میں مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم شرک کروگے، لیکن تمھارے بارے میں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم دنیا کی محبت میں پڑ جاؤ گے۔

آج وہ منظر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ دنیا کی محبت لوگوں کے دلوں میں کس قدر گھر کرگئی ہے وہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ ایک روایت میں آقاے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے نقصانات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور سیدِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ، وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ ۔ (صحیح البخاری، حصہ چہارم،ص:۹۶)

ترجمہ: خدا کی قسم مجھے تمھارے بارے میں محتاجی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ تمھارے سامنے دنیا اسی طرح پھیلا دی جائے گی جس طرح اگلوں کے سامنے پھیلا دی گئی تھی، پھر تم اس کی محبت میں اسی طرح پڑ جاؤ گے جس طرح وہ لوگ اس کی محبت میں پڑ گئے تھے اور وہ تمھیں اسی طرح ہلاک کر دے گی جس طرح اس نے اگلوں کو ہلاکت میں ڈال دیا تھا۔

پتہ چلا کہ ہم سے پہلے بھی جو قومیں ہلاکت میں پڑی ہیں وہ حبّ دنیا کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں۔ آج ہماری قوم بھی ہلاکت کے دہانے پر ہے اور اس کے اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب حب دنیا ہی ہے۔ ہم دنیا کی زندگی میں اس قدر محو ہیں کہ نہ ہمیں مرنے کا اندیشہ ہے، نہ آخرت کی فکر ہے اور نہ ہی موت اور آخرت کے لیے تیاری کرنے کی ہمیں کوئی توفیق ہوتی ہے۔

مومن کا قید خانہ

ایک مومن کے لیے دنیا کی حیثیت کیا ہے اسے اس حدیث پاک میں واضح کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ، وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔ (سنن ابن ماجہ، حصہ دوم، ص: ۱۳۷۸)

ترجمہ: دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔

اس حدیث پاک میں دراصل یہ ذہن دیا گیا ہے کہ اسے دنیا میں زندگی ایسے گزارنی چاہیے جیسے کوئی قیدی قید خانے میں گزارتا ہے۔ قیدی جب قید خانے میں ہوتا ہے تو اس میں اسے زندگی گزارنے کی بنیادی سہولیات مل جائیں تو اسے وہ اپنے لیے کافی سمجھتا ہے، عیش وعشرت کے سامان کوئی قیدی کسی قید خانے میں طلب نہیں کرسکتا۔ اسی طرح دنیا میں مومن کا حال ہونا چاہیے کہ دنیوی زندگی میں جو کچھ مل جائے اس پر اکتفا کرکے اپنی زندگی کے لمحات گزارے اور اس قید خانے سے نکل کر ہمیشہ کی جنت پانے کی فکر میں رہے۔

دنیا میں کیسے رہیں؟

ایک مومن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ دنیوی زندگی میں محو ہو کر آخرت کو بھول جائے۔ بلکہ اس کو دنیوی زندگی کیسے گزارنی چاہیے اس تعلق سے حدیث پاک میں ہدایات موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے جسم کا کچھ حصہ پکڑ کر ارشاد فرمایا:

یَا عَبْدَ اللّٰہِ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ، اَوْ کَاَنَّکَ عَابِرُ سَبِیْلٍ، وَعُدَّ

نَفۡسَكَ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُبُوۡرِ ۔ (سنن ابن ماجہ، حصہ دوم،ص:۱۳۷۸)

ترجمہ: اے عبداللہ! دنیا میں ایسے رہو گویا کہ تم اجنبی ہو یا راہ چلتے مسافر اور اپنے آپ کو قبر والوں میں سے شمار کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خود ارشاد فرماتے تھے:

اِذَا اَمۡسَيۡتَ فَلَا تَنۡتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصۡبَحۡتَ فَلَا تَنۡتَظِرِ الۡمَسَآءَ وَخُذۡ مِنۡ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنۡ حَيَاتِكَ لِمَوۡتِكَ ۔

(صحیح البخاری، حصہ ہشتم،ص:۸۹)

ترجمہ: شام کے وقت صبح کا انتظار مت کرو اور صبح کے وقت شام کا انتظار مت کرو۔ اپنے صحت میں سے اپنے مرض کے لیے حصہ متعین کرو اور اپنی حیات میں سے اپنی موت کے لیے حصہ متعین کرو۔

ان دونوں حدیثوں میں اس تعلق سے واضح ہدایات موجود ہیں کہ دنیا میں ہمیں زندگی کیسے گزارنی چاہیے۔ پہلی حدیث میں فرمایا گیا کہ دنیا میں ایسے رہو گویا کہ تم اجنبی ہو یا راہ چلتے مسافر ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح کسی اجنبی سرزمین سے کوئی شخص زیادہ دل نہیں لگاتا ہے، بس بقدرِ ضرورت وہاں رہتا ہے اور پھر اپنے وطن لوٹنے کی فکر کرتا ہے، اسی طرح مومن کو دنیا میں رہنا چاہیے کہ اس سے دل نہیں لگانا چاہیے، بلکہ بقدرِ ضرورت اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اپنے دیارِ حقیقی کی طرف لوٹنے کی فکر کرنی چاہیے۔

یا جس طرح کوئی مسافر جب کہیں اقامت کرتا ہے تو وہاں وقتی اور عارضی انتظامات کو اپنے لیے کافی سمجھتا ہے، اگر کچھ انتظامات کرنے ہوتے ہیں تو اپنے حقیقی وطن کے لیے کرتا ہے۔ اسی طرح مومن کے دل میں یہ تصور ہونا چاہیے کہ یہ دنیا وقتی اور عارضی اقامت گاہ ہے، اگر کچھ تیاری کرنی ہے تو اپنے حقیقی قیام گاہ یعنی قبر اور آخرت کے لیے تیاری کرے۔

جو کچھ نیکیاں کرنی ہیں جیسے ہی موقع میسر آجائے کر گزرو، یہ نہ سوچو کہ یہ کام فلاں وقت

کروں گا۔ وہ وقت آئے گا یا نہیں اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ جب تک جسمانی اعضا کام کر رہے ہیں، حرکت وعمل کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے، اس قدر نیک اعمال کرتے رہنے چاہییے کہ کل جب اعضا کام کرنا بند کر دیں تو حسرت اور ندامت نہ ہو کہ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ اسی طرح جب تک سانسیں چل رہی ہیں آخرت کی فکر اور تیاری کرتے رہنا چاہیے تا کہ کل دنیا سے جانے کے بعد کف افسوس نہ ملنا پڑے۔

گزشتہ صفحات پر آپ نے دنیا کی حقیقت اور اس میں زندگی گزارنے سے متعلق کچھ ہدایات ملاحظہ کیں۔ اب موت سے متعلق بھی چند اہم باتیں ذکر کی جا رہی ہیں کیوں کہ ''وہن'' کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ''موت سے نفرت'' وہن کا سبب بنتا ہے۔

موت سے نفرت

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار دنیا کی کوئی قوم نہیں کرتی۔ ہر شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ ایک نہ ایک دن اسے اس دارِفانی سے جانا ہے۔ مرنے کے بعد کے معاملات سے متعلق چاہے بھلے لوگوں کے نظریات مختلف ہیں، لیکن موت کی حد تک کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کے باوجود ہماری اکثریت دنیا کی زندگی میں ایسی مشغول ہے اور موت کو ہم اس طرح بھولے بیٹھے ہیں گویا ہمیں دنیا سے کبھی جانا ہی نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ''وہن'' کے دو اسباب میں سے ایک سبب اسے بھی بتایا گیا ہے کہ موت سے دلوں میں نفرت پیدا ہو جائے گی۔ آج وہی معاملہ ہر طرف نظر آرہا ہے کہ دنیا کی محبت دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور موت کے نام سے نفرت ہونے لگی ہے۔

ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے

موت کے تعلق سے خود فرمانِ خداوندی ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(سورۂ آلِ عمران، آیت: ۱۸۵)

ترجمہ: ہر جان کو موت چکھنی ہے اور تمھارے بدلے تو قیامت ہی کو پورے ملیں گے۔

موت وہ حقیقت ہے کہ دنیا کا کوئی بھی شخص خواہ وہ کافر یا فاجر حتیٰ کہ دہریہ ہی کیوں نہ ہو، موت کو یقینی مانتا ہے۔ اگر کوئی موت پر شک و شبہ بھی کرے تو اسے بے وقوفوں کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے کیوں کہ بڑی بڑی مادی طاقتیں اور مشرق سے مغرب تک قائم ساری حکومتیں موت کے سامنے عاجز و بے بس ہو جاتی ہیں۔ موت بندوں کو ہلاک کرنے والی، بچوں کو یتیم کرنے والی، عورتوں کو بیوہ بنانے والی، دنیوی ظاہری سہاروں کو ختم کرنے والی، دلوں کو

تھرانے والی، آنکھوں کو رلانے والی، بستیوں کو اجاڑنے والی، جماعتوں کو منتشر کرنے والی، لذتوں کو ختم کرنے والی، امیدوں پر پانی پھیرنے والی، ظالموں کو جہنم کی وادیوں میں جھلسانے والی اور متقیوں کو جنت کے بالاخانوں تک پہنچانے والی شے ہے۔ موت نہ چھوٹوں پر شفقت کرتی ہے، نہ بڑوں کی تعظیم کرتی ہے، نہ دنیاوی چودھریوں سے ڈرتی ہے، نہ بادشاہوں سے ان کے دربار میں حاضری کی اجازت لیتی ہے۔ جب بھی حکم خداوندی ہوتا ہے تو تمام دنیاوی رکاوٹوں کو چیرتی اور پھاڑتی ہوئی مطلوب کو حاصل کر لیتی ہے۔

موت نہ نیک صالح لوگوں پر رحم کھاتی ہے، نہ ظالموں کو بخشتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کو بھی موت اپنے گلے لگا لیتی ہے اور گھر بیٹھنے والوں کو بھی نہیں چھوڑتی۔ اخروی ابدی زندگی کو دنیوی فانی زندگی پر ترجیح دینے والے بھی موت کی آغوش میں سو جاتے ہیں اور دنیا کے دیوانوں کو بھی موت اپنا لقمہ بنا لیتی ہے۔ موت آنے کے بعد آنکھ دیکھ نہیں سکتی، زبان بول نہیں سکتی، کان سن نہیں سکتے، ہاتھ پیر کام نہیں کر سکتے۔ موت نام ہے روح کا بدن سے تعلق ختم ہونے کا اور انسان کا دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کرنے کا۔ موت پر انسان کے اعمال کا رجسٹر بند کر دیا جاتا ہے۔ موت پر توبہ کا دروازہ بند اور جزا و سزا کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

ہم ہر روز، ہر گھنٹہ، بلکہ ہر لمحہ اپنی موت کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ سال، مہینے اور دن گزرنے پر ہم کہتے ہیں کہ ہماری عمر اتنی ہوگئی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایام ہماری زندگی سے کم ہو گئے۔

موت سے چھٹکارا نہیں

انسان چاہے جس قدر جتن کر لے اسے موت سے ہرگز چھٹکارا نہیں مل سکتا ہے۔ جب موت کا وقت آجائے گا تو اسے اس دنیا سے جانا ہی ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ۔

(سورۂ نساء، آیت: ۷۸)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو موت تمھیں آلے گی اگر چہ مضبوط قلعوں میں ہو۔

اس آیت میں صاف الفاظ میں فرمادیا گیا کہ چاہے کوئی لاکھ کوشش کرلے، اسے موت سے چھٹکارا ملنے والا نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مضبوط قلعے میں بند بھی کرلے تب بھی موت سے بچ نہیں سکتا ہے۔

ان تمام حقائق کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ موت کا آنا جس قدر یقینی ہے اتنا ہی لوگ اس کے بارے میں غفلت کے شکار ہیں، ہر کوئی یہ جانتا ہے کہ آنے والا وقت اس کے لیے موت کا پیغام لاسکتا ہے لیکن اس کے باوجود کوئی اس کے لیے تیاری نہیں کرتا ہے۔ دنیا کی رنگینیوں اور اس کے حسین شب و روز میں لوگ اس طرح گم ہیں گویا ان کے نزدیک موت کا کوئی تصور نہیں۔ نہ انہیں کبھی موت یاد آتی ہے اور نہ ہی کبھی اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

موت اور حیات کی تخلیق کیوں ہوئی؟

انسان پہلے نیست و نابود ہوتا ہے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اسے وجود بخشتا ہے اور پھر ایک مدت تک دنیا میں زندہ رکھنے کے بعد اسے موت کا راستہ طے کرواتا ہے، جسے طے کر کے وہ آخرت کی منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔ موت وحیات کی تخلیق کا مقصد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیۂ کریمہ میں بیان فرمایا ہے:

الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا۔

(سورۂ ملک، آیت: ۲)

ترجمہ: وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمھاری جانچ ہو تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔

موت وحیات کا تسلسل قائم کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔اسی کے حکم سے ہر چیز معرضِ وجود میں آتی ہے اور اسی کے حکم سے نیست ونابود ہوتی ہے۔کوئی چیز نہ خود بخود موجود ہو سکتی ہے اور نہ ہی خود بخود معدوم ہو سکتی ہے۔ساتھ ہی اس کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اس سے مقصد تمھارا امتحان لینا ہے کہ ہم نے سمع و بصر اور فہم وتدبر کی جو بے پناہ صلاحیتیں تمھیں عطا فرمائی ہیں پھر اسی نظام کائنات میں تمھیں اعلیٰ وارفع مقام بخشا ہے اور تمھاری رہنمائی کے لیے انبیا ورسل کو مبعوث فرمایا ہے۔دیکھنا یہ ہے کہ ان نعمتوں کی تم قدر کرتے ہو اور ان قوتوں کو اپنی خوشی سے رضاے الٰہی کے حصول کے لیے صرف کرتے ہو یا دولت اور اقتدار، جوانی اور صحت کا نشہ تمھیں بدمست کر دیتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنی قوتیں اور اپنا وقتِ عزیز خرچ کرتے ہو۔

موت کو یاد رکھنا چاہیے

موت سے غافل ہونا طرح طرح کی برائیوں کو جنم دیتا ہے۔اسی وجہ سے قرآن وحدیث میں موت کے بارے میں بار بار یاد دہانی کرائی گئی ہے۔اس تعلق سے ایک روایت ملاحظہ کریں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سیدِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَکۡثِرُوۡا ذِکۡرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ یَعۡنِی الۡمَوۡتَ۔

(سنن ابن ماجہ، حصہ دوم، ص: ۱۴۲۲)

ترجمہ: لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو۔

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آقاے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَکۡثِرُوۡا ذِکۡرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ فَاِنَّهٗ مَا ذَكَرَهٗ اَحَدٌ فِيۡ ضِيۡقٍ مِّنَ

الْعَيْشِ اِلَّا وَسَّعَهٗ عَلَيْهِ وَلَا فِي سَعَةٍ اِلَّا ضَيَّقَهٗ عَلَيْهِ۔

(شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور،ص:۲۶)

ترجمہ: لذتوں کو توڑنے والی چیز (موت) کو کثرت سے یاد کرو۔ کیوں کہ اگر کوئی شخص تنگی والی زندگی میں اسے یاد کرتا ہے تو وہ اس کی زندگی میں وسعت پیدا کر دیتی ہے اور اگر کوئی وسعت میں یاد کرتا ہے تو اُس پر تنگی پیدا کر دیتی ہے۔

اس حدیثِ پاک کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان زمانۂ تنگی و مفلسی میں موت کو یاد کرے گا تو اس کو موت کی سختیاں اور مابعد الموت کے معاملات یاد آئیں گے جس کی وجہ سے وہ دنیاوی مصیبتوں کو معمولی سمجھے گا اور اس کا یہ احساس کہ اس کی موجودہ پریشانی آخرت کی پریشانیوں کے مقابلہ بہت آسان ہے اس کے لیے وسعت کا باعث ہوگا اور جب وہ خوشحالی میں موت کو یاد کرے گا تو اب یہ اندیشہ نہیں رہے گا کہ خوشحالی میں وہ گم ہو کر آخرت سے غافل ہو جائے گا اور گناہوں کا مرتکب ہو جائے گا بلکہ موت کی سختیوں کو یاد کر کے وہ خوشحالی و عافیت کے زمانہ میں تنگی محسوس کرے گا جو اس کے لئے آخرت کا بہترین سرمایہ ثابت ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ موت کا ذکر ہر وقت مفید ہی ہے، چاہے زمانہ خوشحالی کا ہو یا تنگی کا۔

سب سے عقلمند مومن

اسی وجہ سے موت کو زیادہ یاد کرنے والے مومن کو سب سے عقلمند مومن کہا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کون سا مومن سب سے زیادہ عقلمند ہے؟ آپ نے فرمایا:

اَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَّاَحْسَنُهُمْ لِمَا بَعْدَهٗ اسْتِعْدَادًا اُولٰٓئِكَ الْاَكْيَاسُ۔ (شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور،ص:۲۶)

ترجمہ: موت کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے اور مابعد موت کے لیے سب سے

زیادہ تیاری کرنے والے، وہی لوگ سب سے زیادہ عقلمند ہیں۔

کیوں کہ انھیں معلوم ہے کہ دنیا میں چند روز کے لیے آئے ہیں اور ایک نہ ایک دن موت کے پُل سے گزر کر آخرت کا سفر کرنا ہے۔ جب آخری منزل قبر ہی ہے تو اس کی تیاری کی فکر ہر وقت ہونی چاہیے اور دنیا کی زندگی جب چند روزہ ہے تو اس میں کھو جانا عقلمندی کے خلاف ہے۔

شہدا کے ساتھ حشر ہوگا

شہید اسے کہتے ہیں جو راہِ خدا میں اپنا سر کٹا دے۔ اس کی فضیلت کے لیے اتنا کافی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا حشر شہدا کے ساتھ ہوگا۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے:

رُوِیَ اَنَّہٗ قِیۡلَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ ھَلۡ یُحۡشَرُ مَعَ الشُّھَدَآءِ اَحَدٌ قَالَ نَعَمۡ مَنۡ یَّذۡکُرُ الۡمَوۡتَ فِی الۡیَوۡمِ وَاللَّیۡلَۃِ عِشۡرِیۡنَ مَرَّۃً۔ (شرح الصدور، ص:۲۶)

ترجمہ: مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! کیا شہدا کے ساتھ بھی کسی کا حشر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جو شخص رات و دن میں موت کو بیس مرتبہ یاد کرے اس کا حشر شہدا کے ساتھ ہوگا۔

موت کو یاد کرنے کے فوائد

موت کو یاد کرنے کے بارے میں اس قدر تاکید اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اس کی بنیاد پر بندۂ مومن کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ مفسرِ شہیر حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بعض علما سے منقول ہے کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد رکھے اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ تین باتوں کی توفیق مرحمت فرماتا ہے:

۱۔ **توبہ میں عجلت:**

اگر اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ جلد از جلد توبہ کر کے گناہ معاف کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ کہیں توبہ کے بغیر موت نہ آجائے۔

۲۔ **قناعت پسند دل:**

موت کو یاد رکھنے والا حرص و طمع میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ بھی اسے میسر ہوتا ہے اسی پر راضی رہتا ہے اور یہ قناعت اسے طبعی سکون اور دلی راحت عطا کرتی ہے کیوں کہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ مختصر سی زندگی جس طرح بھی گزر جائے گزار لیں گے، زیادہ کی فکر بے سود رہے گی۔

۳۔ **عبادت میں یکسوئی:**

موت کو ذہن نشیں کر کے جب عبادت کی جاتی ہے تو پوری دلجمعی اور مکمل یکسوئی کے ساتھ عبادت ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس کیفیت کے ساتھ نماز پڑھنے والا ہمیشہ یہ خطرہ محسوس کرتا ہے کہ پتہ نہیں آئندہ عبادت کا موقع ملے یا نہ ملے، لہٰذا ابھی اسے جتنا اچھا بنالیں غنیمت ہے نیز اسے عبادت پر ملنے والے عظیم اخروی بدلے کا کامل یقین ہوتا ہے، جس کی بنا پر اسے عبادت میں کیف و سرور نصیب ہوتا ہے۔

ذکر موت سے بے توجہی کے نقصانات

۱۔ **توبہ میں ٹال مٹول:**

یعنی اگر اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کرنے میں ٹال مٹول کرتا رہتا ہے اور استغفار میں جلدی نہیں کرتا اور بسا اوقات اسی حالت میں اس کی موت آجاتی ہے۔

۲۔ **لالچ کا بڑھ جانا:**

جب موت کی یاد نہیں رہتی تو آدمی کی ہوس بڑھ جاتی ہے اور وہ ضرورت کے مطابق

روزی پر راضی نہیں رہتا بلکہ "هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ" کا نعرہ لگانے لگتا ہے موت سے غفلت کی بنا پر منصوبوں پر منصوبے بنائے چلا جاتا ہے، جس کا انجام یہ نکلتا ہے کہ آرزوئیں رہ جاتی ہیں اور موت آکر زندگی کا تسلسل ختم کر دیتی ہے۔

۳۔ **عبادت میں سستی کرنا:**

جب آدمی موت سے غافل رہتا ہے تو عبادت کرنے میں قدرتی طور پر سستی ظاہر ہوتی ہے اور نشاط کافور ہو جاتا ہے، اوّل تو عبادت کرتا ہی نہیں اور کرتا بھی ہے تو وہ طبیعت پر نہایت گراں گزرتی ہے۔ یہ گرانی صرف اس بنا پر ہے کہ آدمی کو یہ استحضار نہیں رہتا کہ ہم سے مرنے کے بعد ان ذمہ داریوں کے بارے میں سوال کیا جانا ہے۔ اگر خدا نا خواستہ وہاں رضائے خداوندی کے مطابق جواب نہ ہوا تو ایسی رسوائی ہوگی جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری رسوائیاں اور بےعزتیاں ہیچ ہیں۔

(ملخصًا شرح الصدور، ص:۲۶)

موت سے نفرت کیوں پیدا ہوتی ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ جو شخص مال و دولت جمع کر کے رکھتا ہے اس کے دل میں خود بخود موت سے نفرت پیدا ہونے لگتی ہے، وہ مال و دولت جمع کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے ہی کو مقصدِ زندگی سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے مقابل میں جو شخص مال و دولت کو نیکی کے کاموں میں خرچ کرتا ہے اور اسے آخرت کا توشہ بنا کر آگے بھیج دیتا ہے اس کے دل میں موت کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ اس نے آخرت کے لیے جو سرمایہ بھیجا ہے اس سے استفادہ وہ مرنے کے بعد ہی کر سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک شخص حضور نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! کیا وجہ ہے کہ مجھے موت سے بڑی نفرت ہے۔آپ نے فرمایا: کیا تمھارے پاس مال و دولت ہے؟ انھوں نے عرض کی: ہاں ہے۔آپ نے فرمایا:

قَدِّمْهُ فَاِنَّ قَلْبَ الْمُؤْمِنِ مَعَ مَالِهٖ اِنْ قَدَّمَهٗ اَحَبَّ اَنْ یَّلْحَقَ بِهٖ وَاِنْ أَخَّرَهٗ اَحَبَّ اَنْ یَّتَأَخَّرَ مَعَهٗ۔ (شرح الصدور،ص:۲۶)

ترجمہ: اسے صدقہ کر دو۔ کیوں کہ مومن کا دل اس کے مال کے ساتھ ہوتا ہے، اگر وہ اسے آگے بھیج دے تو دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ اس سے جا ملے اور اگر پیچھے چھوڑتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ پیچھے ہی رہ جائے۔

پتہ چلا کہ اگر دل میں موت کی محبت ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ مال و دولت کی محبت سے دل پاک وصاف ہے اور اگر دل میں موت سے نفرت ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ دل میں مال و دولت کی محبت بسی ہوئی ہے۔

سب سے بڑا واعظ

جس پر کسی کی نصیحت اثر نہ کرتی ہو اسے چاہیے کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا شروع کر دے۔اس کے بعد خود بخود اس کا دل پگھلنا شروع ہو جائے گا اور اسے اپنی آخرت سنوارنے کی فکر ہونے لگے گی۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا۔ (ترجمہ: موت سب سے بڑا واعظ ہے۔) (شرح الصدور،ص:۲۷)

جب انسان بے راہ روی کا شکار ہوتا ہے تو نصیحت کرنے والوں کی نصیحت اس پر اثر انداز نہیں ہوتی تو ایک ہی ناصح ہے جس کی نصیحت کارگر ثابت ہو سکتی ہے اور وہ ہے موت کی یاد۔جب موت کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے تو بے راہ روی کی ساری لذتیں ختم ہو جاتی ہیں

اور انسان کے دل میں آخرت کا خیال اور اس کی تیاری کی فکر پیدا ہونے لگتی ہے۔ اسی لیے موت کو سب سے بڑا واعظ شمار کیا گیا ہے۔

حضرت ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے کہ حضرت امام تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دو چیزوں نے دنیا کی لذت میرے دل سے ختم کر دی ہے۔ (۱) موت کا ذکر اور (۲) اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا ذکر۔ (ایضًا)

دنیا سے بے رغبت کرنے والی

دنیا کی محبت درجنوں برائیوں کی جڑ ہے اور اس سے نجات کا ذریعہ یہی ہے کہ دل میں موت کی محبت ہو۔ اگر دنیا کی محبت اور موت سے نفرت کسی کے دل میں ایک ساتھ موجود ہوں تو وہ تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے۔ دنیا سے اپنے دل کو بے رغبت کرنے کا آسان ذریعہ یہی ہے کہ بار بار موت کو یاد کیا جائے اور اس کے لیے تیاری کی کوشش کی جائے۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سیدِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَفٰى بِذِكْرِ الْمَوْتِ مُزَهِّدًا فِي الدُّنْيَا، مُرَغِّبًا فِي الْاٰخِرَةِ۔

(شعب الایمان للبیہقی، حصہ سیزدہم، ص: ۱۳۵)

ترجمہ: دنیا سے سب سے زیادہ بے رغبت اور آخرت کی طرف سب سے زیادہ مائل کرنے والا موت کو یاد کرنا ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص دنیا سے بے رغبت اور آخرت کی طرف مائل ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرے۔ اس سے اس کے دل میں یہ خیال برقرار رہے گا کہ دنیا دل لگانے کی چیز نہیں ہے کیوں کہ ایک نہ ایک دن یہاں سے رخصت ہونا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اسے آخرت کی تیاری کرنے کی فکر ہوگی کیوں کہ وہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

دل زنگ آلود ہوتا ہے

جس طرح لوہا زنگ آلود ہوتا ہے اسی طرح گناہوں کے میل کچیل سے دل بھی زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں اس زنگ آلود دل کی صفائی کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ. قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا جِلَاؤُهَا؟ قَالَ: كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ. (مشکوٰۃ،ص:۱۶۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس طرح پانی لگنے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے اسی طرح (گناہوں کے سبب) دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! اس کی صفائی کس طرح ہوگی؟ فرمایا: موت کو کثرت سے یاد کرنے اور کثرت سے قرآن کی تلاوت کرنے سے۔

ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندۂ مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، اگر توبہ واستغفار کر لے تو دل سے وہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور اگر گناہ کرتا جائے تو اس سیاہ دھبے میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ وہی ''رَانَ'' ہے جس کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (سورۂ مطففین، آیت: ۱۴)
(ترجمہ: کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے۔)

(مشکوٰۃ المصابیح،ص: ۲۴۷)

ان دونوں روایتوں سے پتہ چلا کہ جب دل گناہوں کی طرف مائل ہوتا ہے تو دھیرے دھیرے زنگ آلود ہونے لگتا ہے۔ پھر اسے صیقل کرنا ہو تو موت کو کثرت سے یاد کرنا

ہوگا تاکہ دل عبادت کی طرف مائل ہو اور اسی کے ساتھ ساتھ کثرت سے قرآنِ مقدس کی تلاوت کرنی ہوگی۔ دراصل موت کا ذکر گناہوں اور دنیا کی محبت سے بے رغبت کرے گا اور تلاوتِ قرآن کی کثرت اس میں نورانیت اور روحانیت پیدا کرے گی۔

موت سب کے لیے بہتر

مومن کی شان یہ ہے کہ اس کا دل موت سے نفرت نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے دل میں موت کی محبت ہوتی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ ہے جو کہ حدیث پاک میں مذکور ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انسان خواہ نیکو کار ہو یا بدکار، موت اس کے لیے بہتر ہے۔ اگر نیکو کار ہے تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ اور اگر بدکار ہے تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا۔ (المعجم الکبیر، حصہ نہم، ص:۱۵۱)

اس روایت سے پتہ چلا کہ موت کسی صورت نقصان دہ نہیں ہے۔ اگر بندہ مومن ہے تو اسے موت ان انعامات و اکرامات سے ملانے والی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے لیے تیار فرمایا ہے اور اگر بدکار ہے تو موت اسے جلد سے جلد بدکاریوں سے نجات دے گی، ورنہ جب تک اس کی سانسیں جاری ہوں گی اس کے گناہوں میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

کیا تم جنت کو محبوب رکھتے ہو؟

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومن کے لیے جنت تیار فرمایا ہے۔ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد مومن کا ٹھکانہ جنت ہوگی۔ اگر نیکو کار ہے تو اس کی نیکیوں کے بدلے اسے جنت میں ٹھکانہ عطا کیا جائے گا اور اگر بدکار ہے تو اللہ اپنے فضل و کرم سے یا حضور

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے معاف فرما کر یا پھر اس کے گناہوں کی سزا دے کر اسے گناہوں سے پاک فرما کر جنت میں داخل فرمائے گا۔ ہر مومن کو جنت میں جانے کی خواہش ہوتی ہے اور ہر کسی کو جنت محبوب ہوتی ہے۔لیکن جنت میں جو چیز پہنچائے گی وہ موت ہے۔

حضرت ابن ثوبان بیان فرماتے ہیں:

حَدَّثَنِیْ مَنْ سَمِعَ أَبَا عَبْدِ رَبٍّ یَقُوْلُ لِمَکْحُوْلٍ: یَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ، أَتُحِبُّ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: وَمَنْ لَّا یُحِبُّ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: فَأَحِبَّ الْمَوْتَ، فَإِنَّكَ لَنْ تَرَی الْجَنَّةَ حَتّٰی تَمُوْتَ۔ (حلیۃ الاولیاء، حصہ پنجم، ص:۱۷۷)

ترجمہ: ابوعبدالرب نے حضرت مکحول سے کہا: اے ابوعبداللہ! کیا تم جنت سے محبت کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: جنت سے کون محبت نہیں کرے گا؟ اس پر انھوں نے کہا کہ تب تم موت سے محبت کرو، اس لیے کہ جب تک موت نہیں آتی تم جنت دیکھ نہیں سکتے۔

واقعی جنت مرنے کے بعد ہی ملنے والی ہے۔اس لیے جو جنت کا خواہش مند ہے وہ موت سے کبھی بھی نفرت نہیں کرسکتا ہے بلکہ وہ موت کو محبوب رکھے گا کیوں کہ موت اسے منزل مقصود تک پہنچانے والی ہے۔

دنیا میں مومن کی مثال

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”بشری الکئیب بلقاء الحبیب“ میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں دنیا میں مومن کی مثال بڑے انوکھے انداز میں بیان کی گئی ہے۔

سلیم بن عامر حباری سے مرفوعاً مروی ہے کہ دنیا میں مومن کی مثال ایسے ہے جیسے بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے کہ جب وہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو نکلنے پر روتا ہے۔ پھر

جب وہ باہر روشنی دیکھ لیتا ہے اور دودھ پی لیتا ہے تو اپنی جگہ دوبارہ لوٹایا جانا پسند نہیں کرتا ہے۔اسی طرح مومن موت سے خوف زدہ ہوتا ہے، پھر جب وہ اپنے رب کے پاس جاتا ہے تو اسی طرح دنیا کی طرف لوٹایا جانا ناپسند کرتا ہے جس طرح پیدا ہونے والا بچہ ماں کے پیٹ کی طرف لوٹایا جانا ناپسند کرتا ہے۔ (ص:۱۹)

اس روایت میں بڑے انوکھے انداز میں مومن کے لیے دنیا کی مثال پیش کی گئی ہے۔ایک مومن کو اس بات پر یقین ہونا چاہیے کہ مرنے کے بعد اسے رب کا دیدار نصیب ہوگا اور جنت کی نعمتوں سے اسے مالا مال کیا جائے گا۔جب یہ تصور ذہن میں بیٹھا ہوا ہوگا تو موت سے کبھی بھی نفرت نہیں ہوگی بلکہ موت کو اپنے لیے غنیمت اور مذکورہ نعمتوں کے حصول کا ذریعہ سمجھے گا۔

مومن کو وفات کے وقت کرامت سے نوازا جاتا ہے

جس سفر کا آغاز عز وشرف کے ساتھ ہو اور جو سفر محبوب سے ملاقات کا ذریعہ ہو یقیناً اس سفر سے کوئی شخص گھبراتا نہیں ہے۔مومن کے لیے موت ایسا ہی سفر ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان بندے کے جب اس دنیا سے رخصت ہونے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے کا وقت ہوتا ہے تو آسمان سے شفاف چہرے والے فرشتے اترتے ہیں، گویا کہ ان کے چہرے آفتاب کی مانند ہیں۔وہ جنتی لباس اور جنتی خوشبو لیے ہوئے ایک لمحے کے لیے اس کے پاس بیٹھتے ہیں، پھر ملک الموت آتے ہیں اور اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتے ہیں: اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اخْرُجِيْ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ۔ (ترجمہ: اے نفس مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف نکل۔) پھر اس کی روح اس طرح نکلتی ہے جیسے پانی کے برتن سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے۔

جب روح نکال لیتے ہیں تو اسے جنتی لباس اور خوشبو میں رکھ لیتے ہیں اور اسے لے کر نکلتے ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے مشک کی خوشبو سے روئے زمین مہک رہی ہے۔ پھر اسے آسمان پر لے جاتے ہیں اور فرشتوں کی جماعتوں پر گزرتے ہیں۔ ہر ایک جماعت پوچھتی ہے کہ یہ کس کی طیب روح ہے؟ یہ کہتے ہیں: یہ روح فلاں بن فلاں کی ہے۔اس کا نام نہایت بہترین طریقے سے لیتے ہیں جس نام سے اسے دنیا میں پکارا جاتا تھا، یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس کے نامۂ اعمال کو علّیین میں لکھو اور اس کی روح اس کے جسم میں ڈال دو۔ پھر دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے قبر میں سوال کرتے ہیں، وہ سوالات کے صحیح جوابات دے گا۔ پھر وہ پوچھیں گے: تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہے گا: میں نے قرآنِ پاک پڑھا، اس پر ایمان لایا، اس کی تصدیق کی۔ اس وقت آسمان سے ندا کرنے والا کہے گا: میرے بندے نے سچ کہا، اس کے نیچے جنتی فرش بچھاؤ، اسے جنتی لباس پہناؤ اور ایک کھڑکی جنت کی طرف کھول دو تاکہ جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں اسے آئیں اور حدِّ نگاہ تک اس کی قبر کو کشادہ کرو۔

پھر ایک شخص عمدہ لباس پہنے آئے گا، جس سے خوشبو کی لپٹیں آرہی ہوں گی۔ وہ کہے گا: مبارک ہو، آج وہ دن ہے جس دن کی تجھے خوشخبری اور وعدہ دیا گیا تھا۔ بندہ کہے گا: تو کون ہے جو اس بشارت کو لے کر آیا ہے؟ وہ کہے گا: میں تیرے نیک اعمال ہوں۔ پھر بندہ کہے گا: اے خدا! قیامت قائم کر، اے رب! قیامت قائم کرتا کہ میں اپنے اہل وعیال اور اپنے انجام کار کو دیکھ لوں۔ (مسند احمد، حصہ: ۳۰، ص: ۴۹۹)

ظاہر ہے کہ جب دنیا سے رخصتی اس شان اور کرامت کے ساتھ ہو تو کون ہوگا جو موت سے بھاگے گا؟ جب کہ یہ بات بھی صاف لفظوں میں قرآن اعلان کرتا ہے:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (سورۂ جمعہ، آیت: ۸)

ترجمہ: تم فرماؤ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تو ضرور تمھیں ملنی ہے، پھر اس کی طرف پھیرے جاؤ گے جو چھپا اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے پھر وہ تمھیں بتادے گا جو کچھ تم نے کیا تھا۔

ظاہر ہے کہ جب موت سے چھٹکارا نہیں ہے اور یہ بھی سچائی ہے کہ موت اگر ایمان کے تقاضوں پر ہو تو وہ فضل وکرامت کے حصول کا ذریعہ ہے تو ہمیں موت سے نفرت کرنے کے بجائے بہتر موت پانے کے لیے عمدہ اعمال سے اپنی زندگی کو مزین کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مومن کی روح کہاں رہتی ہے؟

مومن کے لیے کہ بھی کرامت کی بات ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی روح قبض فرمانے کے بعد اسے پرندے کی شکل میں جنت کے درخت سے معلق فرما دیتا ہے۔ پھر جب قیامت کے دن اسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی۔

حضرت کعب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَائِرٌ يَّعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ، حَتّٰى يَرْجِعَ إِلٰى جَسَدِهٖ يَوْمَ يُبْعَثُ۔ (سنن ابن ماجہ، حصہ دوم، ص: ۱۴۲۸)

یہ اکرام اس کے لیے ہے جو ایمان پر قائم اور اس کے تقاضوں کو پورا کرے گا۔ لہٰذا آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ہمیں اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ دنیا میں رہتے ہوئے ہم آخرت کی تیاری میں مصروف رہیں، تاکہ جب بھی رحلت کا وقت آجائے تو دنیا سے عزت واکرام کے ساتھ ہماری رحلت ہو۔

احادیث میں موت کی فضیلت

احادیث مبارک میں موت کے کثیر فضائل مروی ہیں۔ اختصار کے ساتھ چند احادیث مبارکہ یہاں درج کی جاتی ہیں:

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: موت مومن کا تحفہ ہے۔

☆ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرویہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: موت مومن کے لیے خوشبو ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: موت مومن کے لیے غنیمت ہے۔

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: موت مومن کے لیے کفارہ ہے۔

☆ حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: سب سے بہتر آنے والا جس کا کوئی مومن انتظار کرے، وہ موت ہے۔

☆ حضرت مالک بن مغول سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی کہ مومن کو سب سے بڑھ کر خوشی موتی کی ہوتی ہے۔ کیوں کہ وہ موت کے ذریعے اللہ کی جانب سے ملنے والی کرامت اور ثواب کا مشاہدہ کرتا ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: اللہ کی ملاقات سے بڑھ کر مومن کے لیے کوئی راحت نہیں۔

☆ حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! جو شخص یہ جانتا ہے کہ میں تیرا

رسول ہوں اس کے نزدیک موت کو محبوب کردے۔

☆ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: بھائیوں کی طرف سے جو تحفے آتے ہیں ان میں سب سے بہتر تحفہ سلام ہے اور سب سے بہتر خبر موت ہے۔

☆ حضرت محمد بن عبدالعزیز تیمی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ عبدالاعلیٰ تیمی سے کہا گیا: تم اپنے لیے اور اپنے پسندیدہ اہل خانہ کے لیے کیا پسند کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: موت پسند کرتا ہوں۔

☆ حضرت حبان بن اسود سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: موت بہتر ہے کہ وہ حبیب کو حبیب سے ملادیتی ہے۔

☆ حضرت مسروق فرماتے ہیں: مومن کے لیے قبر سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہے۔ جو قبر میں گیا وہ دنیا کے غموں سے اور اللہ کے عذاب سے امان پا گیا۔

☆ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں: موت کو عابدوں کے لیے راحت کہا جاتا تھا۔ (بشریٰ الکئیب ملخصاً)

لوٹنا پسند نہیں کرے گا

دنیا کی نعمتوں کے مقابل میں آخرت کی نعمتوں کا مقام بہت بلند ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس حدیث پاک میں رہنمائی فرمائی گئی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ وَلَهَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ تُحِبُّ أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْكُمْ وَأَنَّ لَهَا الدُّنْيَا۔ (المعجم الاوسط، حصہ اول، ص:۱۲۵)

ترجمہ: زمین میں کوئی جان ایسی نہیں ہے جس کا انتقال ہو جائے اور اللہ کے

نزدیک اس کے لیے بھلائی ہو اس کے باوجود وہ تمھاری طرف پلٹنا چاہے، حالاں کہ اس کے لیے پوری دنیا ہو۔

اس سے اندازہ کریں کہ اخروی نعمتیں کس قدر عظیم ہیں کہ ایک شخص جس کی ملکیت میں پوری دنیا ہو، پھر مرنے کے بعد اسے اخروی نعمت عطا ہو جائے تو وہ دنیا میں واپس پلٹنا پسند نہیں کرے گا۔ اسی وجہ سے مسلمان کبھی موت سے نفرت نہیں کرتے بلکہ اس سے محبت کرتے ہیں کہ دنیا کی عارضی نعمتوں کو چھوڑ کے جانے کے بعد موت آخرت کی ابدی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ بنے گی۔

ملک الموت کی نرمی

مومن کو موت سے اس لیے بھی خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے کہ ملک الموت ہر مومن کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مومن کی روح قبض ہونے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ اپنے فضل سے مومنین کو موت کی سختیوں سے نجات عطا فرماتا ہے۔

حضرت خزرجی رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کے سرہانے ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا: اے ملک الموت! میرے اس ساتھ کے ساتھ نرمی کرو کیوں کہ یہ مومن ہے۔ حضرت ملک الموت نے عرض کی: آپ مطمئن رہیں اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں۔ جان لیں کہ میں ہر مومن کے ساتھ نرمی برتنے والا ہوں۔ (بشری الکئیب ص: ۲۲)

جب یہ بات متحقق ہے کہ مومن کی موت آسانی اور نرمی کے ساتھ ہوگی تو پھر موت کا خوف اور اس سے نفرت کیوں کر ہوگی؟ البتہ یہ شرط ہے کہ ہم اپنے آپ کو مومن کامل بنائیں، اپنے ایمان کو پختہ کریں اور مومنانہ اوصاف کا اپنے آپ کو جامع بنائیں۔ اگر ہم ایمان پر ثابت قدم ہیں تو پھر ہمیں کسی چیز سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آج ''وہن'' نامی دشمن سے اگر ہمیں مقابلہ کرنا ہے اور اپنے دل میں جذبۂ عمل پیدا کر کے اپنے آپ کو کامیابی وکامرانی کے راستے پر گامزن کرنا ہے تو اس کے لیے ہمیں دو چیزوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔(۱) ہمارے دل میں دنیا کی محبت ہرگز پیدا نہیں ہونی چاہیے۔(۲) ہمارے دل سے موت اور مابعد موت کی تیاری کی فکر کبھی نہیں نکلنی چاہیے۔جب تک اپنے آپ کو ان دوصفات کا حامل ہماری قوم نہیں بنالیتی ہے تب تک کثرت تعداد کے باوجود دنیا میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہوگی اور اسی طرح سے باطل اقوام ہمیں نیست ونابود کرنے کی سازشیں کرتی رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے وہن دور فرما کر جذبۂ عمل عطا فرمائے اور ہمارے دشمنوں کو ہمارے مقابل میں مغلوب فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ